شرابِ کہن پھر پلا ساقیا (۴)

تحریر: حامد سجاد طاہر

(آخری قسط)

پس چہ باید کرد؟

ان حالات میں جو سوال سب سے زیادہ اہمیت کا حامل قرار پاتا ہے وہ یہ ہے کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ تنقید کرنا بلاشک وشبہ دنیا کا آسان ترین کام ہے لیکن کسی مسئلے کا حل پیش کرنا مشکل اور فی الواقع اس حل پر عمل پیرا ہونا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ بہرحال اسلام کی بنیاد ایمان پر ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی دعوت برپا کی جائے' تاکہ ایمان قال سے بڑھ کر حال بن جائے۔ نماز صرف اٹھک بیٹھک کا نام نہ رہے بلکہ اس کا امام اس ہستی کا شوق بن جائے جس نے اسے اپنی یاد کے لئے پڑھنے کا حکم دیا ہے' دلوں پر لامحبوب اِلَّا اللہ ثبت ہو جائے' دماغ پر لا مقصود اِلَّا اللہ چھا جائے اور اعمال سے لا مطلوب اِلَّا اللہ کی صدا بلند ہونے لگے۔ زندگیوں کا مقصد رضائے الٰہی اور نجاتِ اُخروی کے سوا کچھ نہ رہے۔ توجہات کا مرکز پھر سے خدا' روح اور آخرت بن جائیں اور ایک ایک قول اور ایک ایک فعل اس بات کی ضمانت دے کہ:

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانعام:۱۶۳)
''بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے''۔

گویا ؎
مری زندگی کا مقصد حصولِ رضائے ربی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی!

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایمان آئے گا کہاں سے؟ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''دلوں کو بھی زنگ لگ جایا کرتا ہے''۔

پوچھا گیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! اس زنگ کو دُور کرنے کا طریقہ کیا ہے؟'' فرمایا: ''موت کا کثرت سے ذکر اور قرآن کی تلاوت''۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارا المیہ ہی یہی ہے کہ ہمارے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں اور ہماری آنکھیں نہیں بلکہ یہ دل ہیں جو اندھے ہو چکے ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ تجدید ایمان کے لئے جو تحریک چلائی جائے اس کا مرکز و محور قرآن ہو۔ اور پھر یہ بھی لازمی ہے کہ یہ تحریک اور یہ دعوت محض جذبات ہی کو اپیل نہ کرتی ہو بلکہ عقل و خرد بھی اس کا موضوع بنیں۔ یعنی وہ محض عوامی ضروریات ہی پوری نہ کرتی ہو بلکہ اعلیٰ علمی سطح پر بھی کارآمد ہو۔ اور اس کے لئے سب سے زیادہ اور پہلے جس طبقے کو خطاب کیا جائے وہ وہی طبقہ ہو جسے حکمران یا دانشور یا elite طبقہ کہتے ہیں' کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سب سے پہلے جس طبقے کو مخاطب کیا وہ بالعموم وہاں کا سیاسی یا مذہبی اقتدار کا حامل ہوتا تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی سب سے زیادہ عوام کے ساتھ ساتھ سرداروں کو دعوت دینے کا اہتمام کیا۔ بلکہ ایک موقع پر تو یہ معاملہ کچھ افراط و تفریط کا ہو گیا تو اللہ نے تنبیہ کے لئے سورۂ عبس کی آیات بھی نازل فرمائیں۔ اور پھر یہ دعوت عربی مبین میں تھی جسے تمام طبقات سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے اور مزید یہ کہ یہ شاعری اور خطابت دونوں کے محاسن لئے ہوئے تھی' کیونکہ اس وقت یہی طریقہ رائج تھا۔ ہر تقریر چونکا دینے والی اور ہر تحریر شاعری ہی کی صورت میں ہوتی تھی۔ چنانچہ اس دعوتِ قرآنی نے صرف عوام کو ہی نہیں بلکہ خواص کو بھی ہلا کے رکھ دیا۔ اگرچہ خواص کے طبقے میں سے بہت کم نے اس دعوت پر عملاً لبیک کہا لیکن جتنے بھی آئے سب اس دعوت کو پھیلانے میں اصل معاون ثابت ہوئے۔ (حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمایا تھا: تم میں سے اسلام میں بہترین وہ ہیں جو تم میں سے جاہلیت میں بہترین تھے) یہی وجہ ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے موقع پر جو نعرۂ تکبیر فاران کی پہاڑیوں کو لرزا گیا تھا وہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر نہیں گونجا تھا' حالانکہ زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے یہی بلالؓ تھے جنہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دَورِ خلافت میں بھی سیدنا (ہمارے سردار) کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے

حلقہ بگوشِ اسلام ہونے پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مکّے نے اپنے جگر نکال کر ہماری طرف پھینک دیئے ہیں۔ مزید برآں اگر ہم بنظر غائر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ تقریباً سارے عوام شعوری یا لاشعوری طور پر اس دانشور طبقے کی تقلید میں مصروف ہیں اور پھر یہ طبقہ خود بلا استثناء مغرب کا مرید ہے۔ لہٰذا عوام تک اس دعوت کو پہنچانے کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس طبقۂ دانشوراں کا طلسم توڑا جائے اور خود اس طبقے تک دعوت کے ابلاغ کے لئے لازم ہے کہ مغربی افکار اور نظریات کا غلط ہونا ثابت کیا جائے تا کہ وہ مرعوبیت جو عرصۂ دراز سے ہم پر سایہ فگن ہے' ختم ہو اور ہم میں حق کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہو جو خود ہماری فطرت کی آواز ہے' بشرطیکہ ہماری فطرت مسخ نہ ہوئی ہو' تا کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی راہ ہموار ہو سکے۔ اور ؏

گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!

اور اس سب عمل کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسی تحریک اٹھے جو تجدید ایمان کی دعوت بذریعہ قرآن دے اور ایک ایسے ادارے کا قیام عمل میں آئے کہ جو قرآن حکیم کی دعوت و اشاعت کا کام کرے' تا کہ عوام کے اذہان اس طرف مبذول ہوں' اور اس نشر و اشاعت کے لئے تمام ممکنہ وسائل کو خواہ وہ کرنٹ میڈیا ہو یا پرنٹ میڈیا' استعمال میں لائے اور اس کے ذریعے لوگوں کے اندر اس کی عظمت کا نقش بٹھائے اور ان کے اندر عمل کا داعیہ بیدار کرے۔ پھر دراصل یہ ان ہی میں سے ایسے نوجوان ابھریں گے جو نشاۃِ ثانیہ کا کام کرنے کے لئے آمادہ ہوں گے۔ یہ ایسے افراد ہوں گے جو اس کام کے لئے اپنی زندگیاں کھپا دینے کے لئے آمادہ ہوں گے' جنہیں اپنے کیریئرز کا لالچ راہِ حق سے نہ ہٹا سکے اور جو مال و دولت دنیا کو ٹھکرا کر قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے کے لئے ہی اپنے آپ کو وقف کر دیں اور پھر انہی کی تعلیم و تربیت اس ادارے کا اصل کام ہوگا۔ یہاں ان افراد کو پورا قرآن شاہ ولی اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پہلے صرف ترجمہ کے ساتھ اور پھر بعد میں کسی تفسیر کے ساتھ پڑھایا جائے گا۔ عربی زبان کی تحصیل کرائی جائے گی اور وہ بھی اعلیٰ معیار کے مطابق۔ احادیث نبویہ

فقہ اور اصولِ فقہ کی بھی کم از کم بنیادی تعلیم دی جائے گی اور پھر فلسفہ' حکمت اور منطق کی تعلیم دی جائے گی۔ مزید برآں طبیعیات اور عمرانیات کے مبادی سے بھی آگاہی دی جائے گی۔ یوں یہ افراد جن کے لئے ''سکوں ناآشنا'' رہنا ''سامانِ ہستی'' بن جائے وہ ''خرد کی گتھیاں'' سلجھا کر ''صاحب جنوں'' بنیں اور ''شریک زمرۂ لایحزنون'' ہونے کے لئے اسلاف کے نفس دروں ''عطا ہونے'' کی دعا مانگیں' جن کے ''دیدۂ تر'' کی نمناکیاں اور دل کی پوشیدہ ''بے تابیاں'' ان کے ''نالہ نیم شب کا نیاز'' اور ''لطف وانجم کا گداز'' بن جائیں۔ قرآن کی صدا ان کو اپنے دل سے اٹھتی معلوم ہو۔ اِن کے خواب قرآن سے رنگین ہو جائیں' ان کے راستے اس کے نور سے منور ہو جائیں۔ انہیں اسی کے اندر آفاق و انفس کے تمام سوالات کا جواب مل جائے اور معرفتِ حق سے ان کے قلب تاباں ہو جائیں اور وہ نفس مطمئنہ کی عملی تفسیر بن جائیں' تو درحقیقت یہی وہ شعوری ایمان ہے جو صرف اور صرف قرآن سے ہی حاصل ہوگا۔

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں!

اور پھر یہی ہوں گے جو شمشیر قرآنی سے جدید فلاسفہ کے لئے ایک نئی ''تہافت'' اور جدید منطقیوں کے لئے ایک نئی ''ردّ'' تحریر کریں گے اور مادّہ پرستی کے اس سیلاب کا رُخ پھیر سکیں گے جو گزشتہ کئی صدیوں سے اُمت مسلمہ کو بہائے لے جا رہا ہے' اور پھر انہیں صرف ''شاخ تراشی'' کا کام ہی نہیں کرنا ہوگا بلکہ ''روش روش'' کی ''شرابِ کہن'' سے سقائی کر کے ایمان کے نئے پھول بھی کھلانے ہوں گے اور ایک جدید علم کلام کی بنیاد بھی رکھنی ہوگی تاکہ سائنس کے میدانوں میں جو پیش رفت ہوئی ہے اسے اسلام کے نظامِ عقائد میں صحیح جگہ پر فٹ کیا جا سکے۔ مزید برآں عمرانیات کو بھی قرآن و حدیث کے اصولوں کے مطابق پھر سے مدوّن کرنا ہوگا۔ اور یوں وہ خواب تعبیر کا روپ دھار سکے گا جسے اقبال نے تقریباً ایک صدی پیشتر دیکھا تھا۔

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا
کل جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آ بسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارزار ہو گا
سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینۂ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا!

☆

اب اس کام کے لئے صرف یہ افراد ہی کفایت نہیں کریں گے بلکہ کئی مختلف طرح کے افراد مطلوب ہوں گے:

۱) ایک تو یہی افراد جو اعلیٰ علمی سطح پر فکری رہنمائی کا سامان فراہم کریں گے۔

۲) وہ افراد جو قرآن و حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے، جو عوامی درسِ قرآن و حدیث کے ذریعے عوام میں قرآن کی عظمت کا نقش بٹھائیں گے اور پھر اوپر والے افراد کی تربیت کا کام بھی انہی کو کرنا ہو گا (قرآن و حدیث کا علم دینا ہو گا)۔

۳) وہ افراد جو دیگر مختلف علوم مثلاً کمپیوٹر سائنس، الیکٹرانکس وغیرہ کے ماہر ہوں گے، انہیں اس ساری قرآنی دعوت کی نشر و اشاعت کا کام کرنا ہو گا۔

۴) عام افراد کو بھی سرمائے کے ساتھ ساتھ اقامت دین کے کام میں تن من کھپانا پڑے گا۔
اب یہاں بات مدارج و مراتب کی نہیں ہے' کیونکہ ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ اور آخرت میں مدارج و مراتب کا تعین ایمان' اخلاص اور اس کے ساتھ اس بات سے ہوگا کہ جو کام بھی کیا اس میں ان کی کتنی ڈیووشن (devotion) تھی۔

جب یہ چاروں قسم کے افراد مہیا ہو جائیں تو انہیں ایک امیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک نظم کے تحت متحد ہونا ہوگا اور یوں منہجِ انقلابِ نبویؐ کے مطابق جدوجہد کر کے ''شہادت علی الناس'' اور ''اقامت دین'' کا فریضہ سرانجام دینا ہوگا۔ پھر اگر اس میں کامیاب ہو جائیں تو فہوالمحبوب اور اگر دُنیوی طور پر کامیاب نہ بھی ہوں تو آخرت میں تو ان کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہوگا۔ وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْکَبِیْرُ' وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

☆

فرہنگ اصطلاحات

میں نے ممکنہ حد تک کوشش کی ہے کہ آسان سے آسان زبان استعمال کروں تاہم پھر بھی ناگزیر طور پر چند ایسی اصطلاحات کا سہارا لینا پڑ گیا ہے جو کہ شاید بعض قارئین کو ثقیل محسوس ہوں' لہٰذا ان کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

وعیدیہ و مرجۂ

یہ دو متضاد گروہ تھے جو قرونِ اولیٰ میں ابھرے۔ مرجۂ کے نزدیک ایمان بنیادی طور پر اللہ اور رسولؐ پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے' اعمال ایمان کا جز و نہیں ہوتے اور گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے بھی کوئی مؤمن کافر نہیں ہو جاتا۔ دوسری انتہا پر وعیدیہ تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ ایمان کا تعلق محض اقرار باللسان سے ہی نہیں ہے بلکہ تصدیق بالقلب اور اعمالِ حسنہ سے بھی ہے۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب اس لائق نہیں کہ اسے مؤمن کہا جائے' شریعت کی رو سے وہ کافر ہے اور ضرور جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو کر رہے گا' خوارج بھی اسی کے قائل تھے۔

جبریہ اور قدریہ

یہ دو بھی قرونِ اولیٰ ہی کی پیداوار تھے۔ جبریہ کے نزدیک کائنات کی باقی تمام اشیاء کی طرح انسان بھی تقدیرِ الٰہی کا پابند ہے۔ اسے نہ تو فکر پر کوئی اختیار ہے نہ عمل پر کوئی قدرت ہے' جو ہوتا ہے اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قدریہ کا یہ کہنا تھا کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے' کیونکہ اسے متبادل راستوں میں سے کوئی ایک راستہ منتخب کرنے کا موقع میسر آتا ہے۔

عقل ونقل

نقل سے مراد وہ تمام علوم ہیں جن کی صحت پر شبہ نہ کیا جا سکے' مثلاً قرآن و حدیث۔ بحث ہو تو صرف اس بات پر کہ کیا یہ بات واقعتاً اسی ذات سے منسوب ہے جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔ مزید برآں انہی دو ذرائع سے پھوٹنے والے بعض علوم مثلاً تفسیر' فقہ' کلام وغیرہ کو بھی بعض اوقات نقل کہہ دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف عقل سے مراد وہ تمام علوم یا ذرائع علوم ہیں جن کے غلط اور صحیح ہونے پر بحث ہو سکے اور وہ کسی بالاتر ہستی یا اس کے نمائندے سے نہیں بلکہ کسی عام انسان سے منسوب ہوں۔ سائنس' فلسفہ' منطق وغیرہ سب اسی کے ذیل میں آتے ہیں۔

محکمات ومتشابہات

قرآن میں خود اس کے مطابق دو قسم کی آیات ہیں: محکمات اور متشابہات۔ محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جو واضح ہیں' جبکہ متشابہات وہ ہیں جو واضح نہ ہوں اور ان میں اشتباہ یا شک کا پہلو موجود ہو۔

منابع و مآخذ

اس مضمون کے لکھنے میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے۔ بلکہ دراصل یہ اوّل الذکر کتاب پر ہی مبنی ہے۔

۱) اسلام کی نشاۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام......از ڈاکٹر اسرار احمد
۲) دعوتِ رجوع اِلی القرآن کا منظر و پس منظر......از ڈاکٹر اسرار احمد
۳) سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل......از ڈاکٹر اسرار احمد
۴) کلیاتِ اقبال......از علامہ محمد اقبال' ناشر اقبال اکادمی
۵) مقالاتِ اقبال' مرتب سید عبد الواحد معینی
۶) خطباتِ اقبال نئے تناظر میں......از محمد سہیل عمر
۷) مقالاتِ اصلاحی (حصہ اول) از مولانا امین احسن اصلاحی
۸) دعوتِ دین اور اس کا طریق کار......از مولانا امین احسن اصلاحی
۹) علم التعلیم حصہ دوم (برائے طلبہ انٹر)
۱۰) مسلم فلسفہ......از ڈاکٹر عبد الخالق و پروفیسر یوسف شیدائی
۱۱) فلسفے کی ماہیت......از ڈاکٹر نعیم احمد
۱۲) فلسفے کے بنیادی مسائل......از قاضی قیصر الاسلام

علاوہ ازیں پروفیسر ڈاکٹر بختیار حسین صدیقی صاحب کے ایک مضمون شائع شدہ ہفت روزہ ''ندا'' ۱۸ تا ۲۴ راپریل ۱۹۹۰ء جو کہ ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' ہی کے بعض پہلوؤں کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہے' سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اور پھر جناب انجینئر محمد علی صاحب کے کورس کے دَوران دیئے گئے نوٹس اور لیکچرز بھی میرے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات واحادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔